THE HISTORICAL AND PRIMARY TRADE PASSES OF ARABIAN PENINSULA

سرزمینِ عرب میں تجارت کا پسِ منظر

سعدیہ ارم ریسرچ اسکالر شعبہ اسلامک لرننگ، جامعہ کراچی

ABSTRACT: Trade is a means of livelihood that creates a mutual connection between society and economy. Existence of Trade is important to meet the necessities of human lives. History shows that there have been many nations who primarily exchanged their native products with other nations. Arabs are specially mentioned among such nations because Trade was the best means of livelihood for them. Their geographical location of Arabian Peninsula is a desert area and mountainous region. Hardly any part of the land was fertile and yield was insufficient as compared to the population. Other necessities of life had to be managed as well, and hence Arabs heavily relied on trade. Since the Arabian Peninsula was also the gateway into the three largest continents, trade had become an essential part of their economy. Arab trading has continued through land and seas. One of the most important trade passes is the pass between Yemen and Syria. For the Quraish, Makkah was the center and it has always had a religious significance due to the Kaaba. The Quraish tribe had some sort of religious superiority because of their claim to be custodians of the Holy Kaaba. They played an important role in strengthening the Arab trade. The historical and primary trade passes of Arabian Peninsula, and products and the trade of Holy Prophet (P.B.U.H) have been briefly discussed in this article.

Keywords: Islamic Trade, Trade in Arab, Arabs trade, Trade in Prophetic era.

عربوں میں تجارت قدیم زمانے سے رائج اور وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی تھی۔ بلکہ دنیا میں عربوں کی شہرت کی بڑی وجہ تجارت ہی تھی، جو بین الاقوامی راستوں سمیت بڑے خطے میں منتشر تھی۔ حتیٰ کہ چھٹی صدی عیسوی میں اسلام کے ظہور سے قبل صرف مکہ مکرمہ کے عرب تاجر اپنے خطے میں اکثر تجارتی قافلوں کے مالک تھے۔ جب کہ جزیرۂ عرب کے دیگر قبائل بھی بصرہ کے قریب اس جزیرہ نما کے ساحل سے مغرب میں بحیرۂ قلزم کے اختتام پر خلیجِ عقبہ تک مختلف قافلوں کی صورت میں سامانِ تجارت لاتے اور لے جاتے تھے۔

عربوں نے تجارت میں اس حد تک سرگرمی اس لیے دکھائی کہ وہ صحراؤں، چٹیل میدانوں اور سنگلاخ پہاڑی علاقوں کے باشندے تھے، جہاں زراعت ممکن نہیں تھی۔ صرف یثرب یعنی مدینہ منورہ اور اس کے نواح میں کھجوروں کی پیداوار تھی، یا طائف اور دیگر جنوبی علاقوں میں کچھ پھل وغیرہ کی فصلیں ہوتی تھیں۔ مقامی طور پر صنعت بھی کچھ زیادہ نہیں تھی، صرف اونٹ کے بالوں سے مقامی عورتیں کچھ کپڑا وغیرہ بن لیتیں یا مرد ہتھیار سازی کرتے، جو دیگر خطوں کی ان مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ عام عربوں کا گزر بسر مویشیوں پر تھا، لیکن دیگر ضروریاتِ زندگی کے لیے کچھ اور بندوبست ضروری تھا۔ اس لیے عربوں نے تجارت کی راہ اختیار

کی، جس سے جہاں ایک طرف انہیں ضروریاتِ زندگی سے لے کر اشیائے آرائش وآسایش میسر آئیں، وہیں ان کے مال و دولت میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ سرمائے میں بڑی بڑی سلطنتوں کے تاجروں کا مقابلہ کرنے لگے۔

یہ لوگ ہتھیار، ریشم، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، آبنوس، مسالے اور گندم لے کر بلادِ شام اور وہاں سے آگے قسطنطینیہ تک جاتے تھے۔ یہ تمام اشیا مشرقِ بعید، چین، بھارت اور افریقا سے آتیں، جب کہ یمن جہاں زراعت کا رواج قدیم زمانے سے تھا، عربوں کی خوردنی ضروریات پوری کرنے کا باعث بنتا۔ شام سے واپس لوٹنے والے قافلے وہاں سے خشک میوے، غلہ، خوردنی تیل، مختلف اقسام کے کپڑے اور سونا وغیرہ لاتے۔ اسی طرح عراق سے کھجور اور چمڑا لایا جاتا۔ اس حوالے سے یورپی مستشرق ولیم ہائیڈ لکھتا ہے: ''مشرق ہمیشہ سے وہ تمام ساز وسامان بنانے کا مرکز تھا، جو دنیا کے حریص اشرافیہ کی ضرورت تھا۔ یہ لوگ ہندوستان سے مسالے لاتے، جنہیں اغریقی اور رومی اپنے پکوانوں میں لذت لانے کے لیے استعمال کرتے۔ اسی طرح وہاں کی خوشبوؤں سے اپنے جسموں اور گھروں کو معطر کرتے، اور ہاتھی دانت سے اپنے گھروں کا قابلِ فخر سامانِ ضرورت وآرائش بناتے۔ چین میں ریشم بنایا جاتا، جو عورتوں کے ساتھ رجالِ سلطنت اپنی آسودگی کے اظہار کے لیے زیب تن کرتے۔ جہاں تک جوہرات کی بات ہے، تو ہندوستان اور فارس کے پہاڑی علاقے قیمتی پتھروں کا معدن تھے۔ اسی طرح بحرِ ہند کے ساحل موتی اگلتے تھے۔ یہ تجارت رفتہ رفتہ اتنی بڑھی کہ رومی سلطنت پلائن کے دور میں ایشیا کو سالانہ درآمدات کی مد میں 10 کروڑ سسٹرس (رومی اشرف) ادا کرتی تھی، جن کی مالیت 2 کروڑ فرانک بنتی ہے۔ ان میں سے نصف صرف ہندوستان وصول کرتا تھا''۔[1]

یہ تمام اشیا جزیرۂ عرب میں مقامی سطح پر ان تمام بازاروں اور منڈیوں میں بھی بیچی جاتی تھیں۔ پھر وہاں سے کئی بازاروں اور منڈیوں سے ہوتی ہوئی دنیا کے مختلف خطوں میں پہنچتیں، کیوں کہ جزیرۂ عرب دنیا کے 3 بڑے براعظموں ایشیا، افریقا اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے۔ اس بنا پر اہم بین الاقوامی تجارتی راستے یہی سے گزرتے تھے۔ خاص طور پر یمن اور شام کے درمیان کا تجارتی راستہ، جس کا اہم ترین پڑاؤ قریش کا مسکن مکہ مکرمہ تھا۔ اس پر ڈاکٹر محمد یوسف الدین لکھتے ہیں: ''تاریخ کے قدیم دور ہی سے جزیرہ نمائے عرب کی اہمیت واضح ہے۔ یہ تین براعظموں کا مقامِ اتصال ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے چین، ہندوستان، ایران وغیرہ مشرقی ممالک سے یورپی ممالک کو جو تجارتی سامان جاتا تھا، وہ عراق اور شام وغیرہ کے علاقوں ہی سے ہو کر جاتا تھا۔ حجاز کے ایک شہر مکہ کی نسبت بتایا گیا ہے کہ یہ کاروانی راستے پر اہم اسٹیشن تھا''۔[2]

عربوں کی تجارت:

عربوں نے اپنے محل وقوع کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے تجارت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ان کی تجارت اونٹوں کے قافلوں کی صورت

میں بری اور کشتیوں کے ذریعے بحری راستوں پر جاری رہی، اور عرب تینوں براعظموں کے درمیان تجارتی ربط کا سبب بنتے رہے۔ وہ اپنے خطے کی تزویراتی اہمیت جانتے تھے، اس لیے اپنی کوئی سلطنت نہ ہونے کے باوجود بڑی بڑی سلطنتوں کے ساتھ تجارتی روابط قائم کرنے میں نا صرف کامیاب رہے، بلکہ ایک حد تک ان کی ضرورت بھی بن گئے۔

جزیرۂ عرب کے باشندوں نے تجارت کے لیے 2 بنیادی راستے اختیار کیے۔ ایک بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ گزرنے والا تجارتی راستہ جو طائف، مکہ مکرمہ اور یثرت یعنی مدینہ منورہ سے ہوتا ہوا جنوب میں یمن سے شمال میں شام جاتا تھا۔ وہ اسے ''طریق العطور'' اور ''طریق البخور'' کہتے تھے۔ شام میں البتراء پہنچ کر اس کی 2 شاخیں ہو جاتی تھی۔ ایک راستہ شمال مشرق میں تدمر کی جانب جاتا تھا، جب کہ دوسرا مغرب میں غزہ کو پہنچتا تھا۔

یہ مرکزی راستہ طول میں جنوب سے شمال کی جانب جاتا تھا، جب کہ عرض میں اس سے کئی راستے نکلتے تھے۔ مثلاً: جزیرۂ عرب کے جنوب مغرب سے جنوب مشرق کے درمیان ایک تجارتی راستہ تھا، جو یمن میں گوند کی پیداوار کے علاقوں سے 600 میل دور دار چینی پیدا کرنے والے علاقوں کے درمیان تھا۔ اس راستے پر تمنع شہر تھا، جہاں سے مرکزی تجارتی راستہ شروع ہوتا تھا۔ دوسرا ذیلی راستہ جنوب سے شمال میں جرہا اور وہاں سے رافدین یعنی دِجلہ اور فرات کے علاقے تک جاتا تھا۔ اس کے ساتھ بحری راستہ بھی تھا۔ ایک راستہ مرکزی شاہراہ پر مکہ مکرمہ سے نکلتا تھا اور وادیٔ رافدین پہنچتا تھا۔ عہدِ اسلامی میں اسے ''شاہراہِ زبیدہ'' کا نام دیا گیا۔ ایک راستہ نواحِ یثرب سے نکلتا تھا، اور تیما اور دومۃ الجندل سے ہوتا ہوا وادیٔ رافدین میں بابل تک جاتا تھا۔ جب کہ ایک راستہ جزیرۂ عرب کے انتہائی شمال میں تھا، جو رمادی سے فرات کے ساتھ ساتھ ماری اور مغرب میں تدمر و حمص تک جاتا، پھر اسے کئی راستے نکلتے، جو دمشق اور بحیرۂ روم کے ساحلوں تک پہنچتے تھے۔

عربوں کی تجارت کا دوسرا بنیادی راستہ سمندری تھا، جو مشرق خاص طور پر قرنِ افریقا کو ہندوستان، سیلان، چین اور جنوب مشرقی ایشیا سے جوڑتا تھا۔ ہندوستان سے بحیرۂ عرب کے راستے تجارتی سامان عمان پہنچتا، اور پھر خلیج عدن اور بحیرۂ احمر کے راستے مصر جاتا۔ تاہم بحری راستوں کی مشقت اور مشکلا تکے باعث زیادہ تر تجارتی سامان عمان کی مختلف بندرگاہوں پر اترتا اور پھر بری راستوں کے ذریعے شام، وہاں سے غزہ اور پھر مصر پہنچتا تھا۔[3]

یہ تجارتی سامان جزیرۂ عرب اور عربوں کے جن مشہور بازاروں اور منڈیوں میں بکتا تھا، ان کے نام، محل وقوع اور تاریخِ انعقاد کا تذکرہ دعوت و تبلیغ کے باب میں گزر چکا ہے، لیکن عربوں کی تجارت ان ڈیڑھ درجن بازاروں پر ہی منحصر نہیں تھی، بلکہ تقریباً ہر شہر، قصبے اور گاؤں میں بازار موجود تھے، اور ان کے لیے مقامات خاص کیے گئے تھے۔ یہ بازار شہر کے وسط، عبادت گاہ کے سامنے یا کسی ایسی

جگہ قائم کیے جاتے جہاں سے دور کی مسافت سے بھی انہیں دیکھا جاسکتا، یا شہر سے باہر مرکزی دروازے کے ساتھ یا راستوں کے سنگم پر ان کا قیام عمل میں آتا۔ ان میں دکانیں بھی ہوتیں، جب کہ مقامی عمائدین ان کے امور اور سرگرمیوں کی نگرانی کرتے۔ ایسی تمام بڑی آبادیاں جو تجارتی شاہراہوں پر واقع تھی، وہ قافلوں اور مسافروں کا پڑاؤ ہوتیں، جہاں خرید وفروخت کا سلسلہ سارا سال جاری رہتا۔ قافلوں کی آمد پر مقامی تاجر اور عام لوگ ان کا رخ کرتے، اور سامان، مصنوعات اور غلے وغیرہ کا تبادلہ یا خرید وفروخت کرتے۔ (4)

جزیرۂ عرب اور مشرقِ وسطیٰ کا ہر ملک وعلاقے مخصوص مصنوعات کے لیے شہرت رکھتا تھا، تاہم ان میں سے کچھ اشیا وہیں پیدا ہوتی یا بنتی تھیں، جب کہ کچھ دیگر ممالک سے وہاں پہنچائی جاتیں اور پھر وہاں سے باقی عرب خطے میں ان کی ترسیل ہوتی۔ ان اشیا اور ان کے لیے مشہور اماکن کی تفصیل ڈاکٹر محمد سہیل طقوش نے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''یمن سے دھاری دار، منقش اور ریشمی دھاریوں والی مخصوص چادریں، زعفران، رنگ، خضاب، مختلف قسم کے گوند، بخور، خوشبوئیں، مسالے اور عقیقآتے تھے۔ عمان کے علاقے بحرین سے موتی اور ہجر سے کھجوریں آتیں۔ شام سے زیتون کا تیل، کشمش، گندم وآٹا، شیشے کے برتن، صیدا وصور کا ارجوان، تل کا تیل اور سونے چاندی کی مصنوعات لائی جاتیں۔ عسقلان سے مہندی اور غزہ وبصریٰ سے اعلیٰ شرابیں آتی تھیں۔ جب کہ مقامی لوگ اون، بال، اونٹوں کا دھاگا، مختلف تیل، چربی، اونٹ ودیگر مویشی، صاف کردہ کھالیں، جوتے اور چرمی تھیلے وغیرہ فروخت کرتے''۔ (5)

اسی طرح عربوں میں مختلف اقسام کے سودوں اور کاروباری طریقوں کا رواج تھا۔ تجارت کے لیے اصول وضوابط تھے، جن کی مخالفت کرنے والے کے خلاف کارروائی کی جاتی یا اسے کاروبار کرنے سے روک دیا جاتا تھا۔ کوئی شے کس جگہ کی پیداوار یا مصنوعہ ہے، اس حوالے سے اس پر مخصوص علامت موجود ہوتی۔ جب کہ جس چیز پر یہ صراحت یا علامت نہ ہوتی، وہ بازار میں مقبول ہوتی نہ کوئی اسے خریدتا۔ اسی طرح چوری شدہ مال فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوتی اور ایسا مال بیچنے والے کو گرفتار کرلیا جاتا۔ مقامی تاجر اور خریدار اس وقت کے رائج سودوں اور معاملات سے باخوبی واقف تھے۔ مروجہ سودوں اور ان کے طریقوں میں سے مشہور یہ تھے:

1۔ بیع برمی الحصاۃ: خریدار کسی چیز پر کنکری مار دیتا، تو اس کے لیے لازم ہو جاتا کہ اسے خریدے اور اس معاملے میں اس کا اختیار ختم ہو جاتا۔ اسی طرح کبھی تاجر کہتا کہ کسی بھی چیز یا ریوڑ میں کسی بھی جانور پر کنکری مارو، وہ اتنے میں تمہارا ہوا۔ یا جہاں تک کنکری گئی زمین یا فصل تمہاری ہوئی، کبھی خریدار کہتا کہ میری مٹھی میں جتنی کنکریاں ہیں، اتنے درہم میں یہ چیز تمہاری۔ یا خریدار کہتا کہ میری مٹھی میں جتنی کنکریاں ہیں، ان کے بہ قدر اشیا اتنی رقم میں میری۔ اسی طرح خریدار سامان پر پتھر رکھ دیتا۔ یہ تمام بیع برمی الحصاۃ کہلاتی تھیں۔

2۔ بیع منابذہ: بھاؤ تاؤ کے دوران فروخت کنندہ اگر اپنی چیز خریدار کی جانب یا دونوں اپنی اشیا ایک دوسرے کی جانب پھینک دیتے، تو سودا لازم ہو جاتا ہے۔ سودے کی تکمیل کے اس عمل کو منابذہ کہتے تھے۔

3۔ بیع ملامسہ: اسی طرح اگر اس دوران خریدار سامان پر یا تاجر قیمت یا بدل پر ہاتھ رکھ دیتا، تو سودا لازم ہو جاتا، یا خریدار اندھیرے میں یا

کسی چیز میں لپٹی ہوئی چیز پر ہاتھ رکھتا اور تاجر اس سے کہتا کہ اتنے کی دیتا ہوں، فوری لینی ہوگی اور چیک کرنے کی اجازت نہیں، تو خریدار کو خریدنے سے قبل اسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

4۔ بیع معاومہ: اسے بیع السنین بھی کہتے تھے۔ اس میں کسی بھی زمین کے پھل کا دو، تین یا زیادہ برسوں کے لیے پیشگی سودا کر لیا جاتا تھا۔

5۔ بیع مزابنہ: درخت پر لگی تازہ کھجوریں یا پھل ماپ پر، خشک کھجوروں یا درخت سے اترے ہوئے پھل کے بدلے بیچنا۔

6۔ بیع محاقلہ: یہ مزابنہ کی طرح ہوتی تھی، لیکن اس کا تعلق غلے سے تھا۔

7۔ بیع مخابرہ: پیداوار کے متعین حصے پر کاشت کاری کا معاہدہ کرنا۔ یہ مزارعت کے ہم معنی یا قریب تر تھی۔

8۔ بیع حبل بالحبلہ: بچہ جنے تک کے لیے اونٹنی کے مالک کو نر فروخت کرنا اور قیمت پہلا بچہ مقرر کرنا۔

9۔ بیع تصریہ: فروخت سے چند روز قبل اونٹنی یا بکری دودھ دھونا بند کر دینا، تاکہ تھن خوب بھرے معلوم ہوں اور خریدار زیادہ دودھ والی سمجھ کر خرید لے۔

10۔ بیع سرار: یہ سوقِ عکاظ کا خاصہ تھی۔ اس کی صورت یہ ہوتی کہ سودے کے وقت تاجر کے پاس ایسے افراد بھی آجاتے، جو قیمت میں زبانی کلامی اضافہ کرتے، لیکن ان کی نیت خریدنے کی نہیں ہوتی، تو خریدار اس تاجر کو کہتا کہ میں اسے آگے فروخت کروں گا اور اس نفع میں تم شریک ہوگے۔ اس طرح وہ غیر سنجیدہ خریداروں سے جان چھڑا لیتا۔

11۔ بیع ناجز: نقد ادائیگی اور سامان کی فوری حوالگی والی معروف ترین خرید و فروخت کو بیع ناجز کہا جاتا تھا۔

12۔ بیع جس: اس کا رواج سوقِ صنعا میں تھا۔ یہ ملامسہ ہی کی کوئی قسم تھی۔[6]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل از مسیح و اسلام بھی عربوں کی تجارت بے قاعدہ و ضابطہ نہیں تھی، بلکہ ان کے ہاتھ بھی ایک بڑا نظام موجود تھا، جس کے تحت یہ سب تجارتی سرگرمیاں صدیوں سے جاری تھیں۔ نیز دنیا میں اس وقت عربوں کا تعارف بھی 2 حیثیتوں سے تھا، ایک بدویت اور دوسری تجارت۔

قریش کی تجارت

عربوں میں قریش کو ہر اعتبار سے فضیلت اور برتری حاصل تھی۔ ایک طرف وہ بیت اللہ کے متولی اور امورِ حج کے منتظم و نگران تھے، جس کے باعث مشرکین میں مذہبی اعتبار سے انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، تو دوسری طرف ان کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاملتا تھا، اس بنا پر انہیں سماجی طور پر بھی عزت حاصل تھی۔ ساتھ ہی تجارت میں ان کے سرمائے اور قافلوں نے عربوں کے درمیان پورے جزیرۂ عرب میں ان کی اقتصادی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ بعض

نے تو قریش کی وجہ تسمیہ ہی تجارت کو قرار دیا ہے۔ مثلاً: ابن ہشام نے لکھا ہے: " قریش اس سبب سے کہتے ہیں کہ قریش "تَقَرُّش" سے ماخوذ ہے، اور تقرش کے معنی کسب اور تجارت کے ہیں"۔ (7)

اسی طرح ابوالولید ازرقی کا بیان ہے: "کہا جاتا ہے کہ قریش کا یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ وہ تاجر تھے۔ کسب و تجارت کرتے ہوئے جمگھٹا بنا لیتے تھے، اس لیے انہیں ایک سمندری مچھلی (قرش یعنی شارک) سے تشبیہ دی جانے لگی"۔ (8)

قریش نے اپنی مذہبی اور سماجی حیثیت کو دیکھتے ہوئے یہ پیشہ اختیار کیا تھا۔ جاہلیت میں دیگر قبائل کا وتیرہ یہ تھا کہ وہ باہم جنگیں کرتے، اور ان کے نتیجے میں ایک دوسرے کو غلام بنا کر فروخت کرتے اور اموال کو حلال سمجھ کر لوٹ لیتے۔ اکثر قبائل کا ذریعہ معاش یہی تھا۔ لیکن قریش کے لیے یہ راستہ اختیار کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے انہوں نے تجارت کو اپنایا اور اپنا شرف برقرار رکھا۔ جاحظ لکھتا ہے: "قریش تمام عربوں میں دین کے معاملے میں بڑے جذباتی اور متشدد تھے۔ انہوں نے جنگ و جدال اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ انہیں قیدی بنانا، دوسروں کے اموال حلال کرنا اور مالِ غصب کو اچھا سمجھنا پسند نہیں تھا۔ لڑائی سے کنارا کشی کے بعد ان کے پاس تجارت کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہیں بچا تھا۔ اس لیے وہ دور دراز علاقوں جیسے روم میں قیصر، حبشہ میں نجاشی اور مصر میں مقوقس کے پاس گئے، اور ان سب کے ساتھ تجارتی روابط قائم کر لیے"۔ (9)

قریش کی اس بین الاقوامی تجارت کی ابتدا ہاشم بن عبد مناف کے دور میں ہوئی۔ انہی کو مکہ مکرمہ پر قریش کی بالادستی قائم کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ انہیں اپنے باپ دادا سے قریش کی سرداری ملی۔ اس وقت قریش کی تجارت مکہ مکرمہ کے مقامی بازاروں یا حج کے موسم میں لگنے والی منڈیوں اور میلوں تک محدود تھی۔ ہاشم نے اس محدود تجارت پر قناعت کو اپنی قوم کے لیے مناسب نہیں سمجھا۔ وہ مکہ مکرمہ کے محل وقوع اور شمال و جنوب کے درمیان سفر کے لیے اس اہم پڑاؤ کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے جزیرۂ عرب سے نکل کر تجارت کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ اپنی قوم کی مالی حالت بہتر بنا سکیں اور اس کے لیے دینی کے ساتھ ساتھ سماجی مقام بھی دلا سکیں۔ امام فخر الدین رازی نے یہ پسِ منظر یوں بیان کیا ہے: "قریش میں سے کسی کو فقر و فاقہ لاحق ہو جاتا، تو وہ اپنے اہلِ خانہ کو لے کر کسی الگ تھلگ جگہ چلا جاتا اور وہاں خیمہ لگا کر موت کے انتظار میں بیٹھ جاتا۔ یہاں تک کہ ہاشم بن عبد مناف آئے، جو قوم کے سردار تھے۔ ان کا ایک بیٹا تھا اسد۔ اس کا ایک دوست بنی مخزوم سے تھا، جس سے اسے بہت محبت تھی اور وہ اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اس نے اسد سے تنگی اور فاقہ کی شکایت کی۔ اسد اپنی ماں کے پاس روتا ہوا آیا۔ ماں نے ان کے پاس آٹا اور کچھ چربی بھیج دی، جس پر وہ کئی روز تک گزارا کرتے رہے۔ اسد کے پاس اس کا دوست پھر آیا اور فاقوں کا رونا رویا۔ اس پر ہاشم نے اپنی قوم قریش کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ تم شدید قحط کا شکار ہو، جس کے باعث تمہاری تعداد اور طاقت دونوں کم ہو رہی ہیں۔ حالاں کہ تم اللہ کے حرم کے متولی اور اولادِ آدم میں معزز ترین ہو، جب کہ باقی لوگ تمہارے پیچھے چلنے والے ہیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے تابع دار ہیں۔ ہم

میں آپ کی سرداری پر کوئی اختلاف نہیں۔ اس پر ہاشم نے ہر خاندان کے فرد کو جمع کر کے دو سفروں یعنی سردی میں یمن اور گرمی میں شام کی جانب تجارت کے لیے بھیجنا شروع کیا۔ کسی بھی مال دار کو اس سے جو نفع ہوتا، وہ اسے اپنے اور ناداروں کے درمیان تقسیم کر لیتا۔ اس طرح ان کے غریب بھی امیروں کی طرح ہو گئے۔ اسلام آیا، تو اس وقت بھی وہ اسی نہج پر تھے، اور عربوں میں قریش سے زیادہ کوئی قبیلہ مال دار اور معزز نہ تھا"۔[10]

یہ دونوں سفر موسم کی مناسبت سے اختیار کیے گئے تھے۔ یمن کا محل وقوع جزیرۂ کے جنوب میں تھا، جو خطِ استوا کے قریب ہونے کے باعث گرم علاقہ تھا اور خاص طور پر اس کے جنوبی ساحلی علاقوں میں سخت سردی نہیں پڑتی تھی۔ جب کہ شام شمال میں ہونے کے باعث سخت سرد تھا اور وہاں برف تک پڑتی تھی، اس لیے شام کی جانب سفر موسم گرما ہی میں ممکن تھا، جب کہ یمن کے لیے سردیوں کے مہینے مناسب تھے۔ اس لیے ہاشم نے یہ دو تجارتی سفر مقرر کیے۔

اس بین الاقوامی تجارت کے لیے قریش نے مختلف سلطنتوں کے ساتھ تجارتی معاہدے بھی کیے۔ ان تجارتی معاہدوں کا سہرا بھی ہاشم بن عبد مناف کے سر سجتا ہے۔ ایک بار وہ شام گئے تو قیصر تک ان کا شہرہ پہنچ گیا۔ شاہِ روم نے انہیں بلایا اور گفتگو کی، جو اسے پسند آئی۔ اس طرح ہاشم کا قیصر کے دربار میں آنا جانا ہو گیا۔ ایک بار انہوں نے قیصر سے کہا کہ "اے بادشاہ میری قوم عرب ہے، جو تاجر ہیں۔ انہیں ایک پروانۂ شاہی دے دیجیے، جو انہیں اور ان کی تجارت کو تحفظ فراہم کر دے"۔ قیصر نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ وہ یہ پروانہ لے کر واپس حجاز روانہ ہوئے اور راستے میں جس جس قبیلے سے گزرتے اس کے ساتھ تحفظِ تجارت کا معاہدہ "اِیلاف" کرتے جاتے کہ وہ قریش سمیت تمام عربوں کے تجارتی قافلوں کو امن دیں گے۔ یوں مکہ سے شام تک پُر امن تجارتی راستہ قائم ہو گیا۔

یہ سب ہاشم کا کارنامہ تھا، اس لیے قریش سب سے زیادہ اس معاہدے سے مستفید ہوئے۔ تاہم ہاشم کے انتقال کے بعد انہیں کچھ اندیشہ ہوا کہ شام کی جانب سفر تجارت کے لیے انہیں حاصل خصوصی حقوق ختم نہ ہو جائیں، اس لیے ہاشم کے بھائی عبد شمس شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس گئے، اور اپنی قوم کی طرف سے ایک تجارتی معاہدہ کیا۔ نوفل نے عراق کا رخ کیا اور شاہِ فارس کسریٰ کے ساتھ اسی نوعیت کا معاہدے کر کے لوٹے۔ جب کہ مطلب نے یمن کے قبائلی سرداروں کے ساتھ معاہدے کر لیے۔ یوں قریش کی تجارت کو بین الاقوامی سطح پر تحفظ ملا اور ان کے مال و دولت میں اضافہ ہوا۔[11]

قریش اپنے تجارتی سفروں کے دوران مال بردار قافلوں کے ساتھ حفاظتی دستے اور ہتھیار بھی لے کر چلتے تھے۔ یہ حفاظتی دستے عام طور پر بنو غِفار یا ان قبائل کے ہوتے جو قریش کے ساتھ تجارتی قافلوں کی ہم رکابی چاہتے۔ اس ہم رکابی کے بدلے وہ قریش کے قافلوں کی حفاظت کرتے۔ جب کہ قریش کے اپنے غلام، موالی اور حلیف بھی اس مقصد کے لیے ساتھ ہوتے۔ نیز آگے آگے چلنے کے

لیے رہبر بھی ساتھ لیے جاتے، جو قافلوں کو راستہ دکھاتے۔

ان سفروں نے قریش کو تجارتی اور اقتصادی طور پر ہی فائدہ نہیں پہنچایا، بلکہ زندگی کے کئی شعبوں میں بھی ان کی رہنمائی کی۔ مثلاً ان کے ذریعے روم، فارس اور حبشہ سے قریش کے سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ یہ امتیاز و اعزاز کسی اور عرب قبیلے کو حاصل نہیں تھا۔ اسی طرح قریش نے ان اسفار سے کئی مفید فنون بھی سیکھے، جن میں لکھنا پڑھنا سر فہرست ہے۔ ان قافلوں میں شامل کچھ قریشیوں نے حیرہ میں لکھنا پڑھنا سیکھا اور مکہ مکرمہ لوٹ کر اپنی قوم کو سکھایا۔ اس لیے جب اسلام آیا، تو اس شہر میں ایک بڑی تعداد لکھنا پڑھنا جانتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اکثر کاتبین وحی قریش ہی سے تھے۔

تجارتی اسفار نے دیگر قوموں کے ساتھ میل جول کے باعث قریش کو عرب قبائل کے مقابل علم، تہذیب اور ثقافت کا حامل بنا دیا تھا۔ غیر ملکیوں کے ساتھ لین دین کر کے اور ان کے معاملات دیکھ کر قریش نے خرید و فروخت میں ان کا طرزِ عمل اور تجارت میں ان کا نظم و نسق سیکھ لیا تھا۔ جب کہ شام، فارس اور حبشہ جیسی اس وقت کی عظیم سلطنتوں کے اشراف اور باشندوں سے رابطے نے انہیں امورِ سیاست میں بھی بہت کچھ سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔ بلکہ یہی نہیں، قریش نے شعر و سخن میں جو مقام حاصل کیا، اس کی بڑی وجہ بھی یہی وسیع مشاہدہ تھا۔[12]

قریش کے مردوں کے ساتھ عورتوں میں بھی تجارت اور سرمایہ کاری کا رواج تھا۔ خاندانِ بنو اسد کی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے کون واقف نہیں۔ وہ انتہائی امیر کبیر تھیں اور اپنا سرمایہ تجارتی قافلوں میں لگایا کرتی تھیں۔ ان کی یہی کاروباری سرگرمی رسول اللہ ﷺ سے شادی کا سبب بنی، جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی درجنوں قریشی خواتین تجارت کرتی اور ان قافلوں میں اپنا سرمایہ لگایا کرتی تھیں۔ محمد یوسف الدین لکھتے ہیں: ''قریش کی عورتوں کو بھی تجارتی کاروانوں سے اسی قدر دلچسپی تھی، جتنی دلچسپی ان کے شوہروں کو تھی۔ بدر قہ (کانوائے) کی واپسی پر ابوسفیان کے اطراف جمع ہوتی تھیں، تاکہ یہ معلوم کریں کہ انہوں نے جو روپیہ پیسہ لگایا تھا، اس میں کیا نفع ملا اور نفع میں ان کو کتنا حصہ ملا''۔[13]

غرض قریش من حیث القوم تجارت کیا کرتے تھے اور اسلام کی آمد سے قبل جزیرۂ عرب میں سب پر سبقت لے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ایک شخص کے پاس لاکھوں درہم کا سرمایہ تھا۔ ایک وقت میں ہزاروں اونٹوں پر سامان لاد کر قافلے ہمسایہ ممالک جاتے تھے، جس سے پورے خطے میں ان کا شہرہ ہو گیا تھا اور قریش دنیا کے لیے غیر معروف قبیلہ نہیں رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بہ صورتِ تاجر

رسول اللہ ﷺ بھی اسی قبیلے کے فرزند تھے، بلکہ خانوادۂ ہاشم بن عبد مناف کے چشم و چراغ تھے۔ آپؐ یتیم پیدا ہوئے تھے،

کیوں کہ آپؐ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب تجارت کی غرض سے شام گئے تھے کہ واپسی پر یثرب میں اپنے ننھیال بنو نجار میں ٹھہر گئے۔اچانک طبیعت خراب ہوگئی اور وہیں انتقال کر گئے۔[14] اس حادثے کے بعد آپؐ اس دنیا میں تشریف لائے۔

ایک یتیم کے پاس کیا مال و دولت ہوگا۔والد نے چند مویشی اور اُم ایمن رضی اللہ عنہا نامی باندی ترکے میں چھوڑی تھی۔6 برس کی عمر میں والدہ آمنہ بنت وہب کا بھی انتقال ہو گیا، تو آپؐ اپنے دادا عبدالمطلب کے زیرِ کفالت آگئے۔8 برس کے ہوئے تو دادا بھی وفات پاگئے۔ان کے بعد چچا ابو طالب نے آپ کی پرورش کا ذمہ اٹھایا، لیکن وہ خود بھی مال دار نہیں تھے۔[15] کم عمری کے باوجود آپکؐا اپنے چچا کے حالات کا احساس تھا اور آپکؐی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ ان پر بوجھ بنیں، اس لیے آپؐ نے لڑکپن ہی میں چند قراریط یعنی معمولی اجرت پر اہلِ مکہ کے مویشی چرانا شروع کر دیے۔[16]

مویشی چرانا رسول اللہ ﷺ کا پہلا ذریعہ معاش تھا۔آپؐ نے تجارت کے میدان میں قدم اگرچہ جوانی میں رکھا، لیکن اس سے قبل ایک بار شام کی جانب سفرِ تجارت میں اپنے چچا ابو طالب کی ہم رکابی کر چکے تھے۔اس وقت آپکؐی عمر 12 سال تھی۔دل کئی ماہ تک محبوب چچا سے دور رہنے پر آمادہ نہ تھا، اس لیے آپؐ نے ہم سفری کی خواہش ظاہر کی اور ابو طالب آپکؐو ساتھ لے گئے۔تاہم اس سفر میں تجارتی لین دین کو دیکھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا، کیوں کہ قریش کا قافلہ جیسے ہی شام کے سرحدی شہر بصریٰ کے قریب پہنچا، تو ایک عیسائی راہب بحیرا نے آپکؐو پہچان لیا کہ یہ لڑکا کوئی عام بچہ نہیں، بلکہ آخری نبی ہے، جس کی تورات اور انجیل سمیت سابقہ آسمانی کتابوں میں بشارت دی گئی ہے۔اس نے ابو طالب سے کہا کہ اس بچے کو واپس مکہ پہنچادو، کیوں کہ یہود اسے دیکھ کر اس کی جان کے درپے ہو جائیں گے۔اس لیے ابو طالب آپکؐو واپس مکہ مکرمہ پہنچا گئے۔[17]

نوعمری میں گلہ بانی کے ذریعے کسبِ معاش سے رسول اللہ ﷺ بہت کچھ سیکھ چکے تھے۔جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، تو اپنا آبائی پیشہ اپنانے کے لیے کمربستہ ہوگئے۔اپنے پاس سرمایہ نہ ہونے کے باعث مضاربت کی راہ اختیار کی، کیوں کہ اس میں دوسرے کا مال اور اپنی محنت ہوتی ہے، جب کہ نفع میں فریقین شریک ہوتے ہیں، جس کا تناسب دونوں کی رضامندی پر ہوتا ہے۔آپکؐی سیرتِ طیبہ کے اس باب کو ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی نے چند سطروں میں جامع انداز سے یوں قلم بند کیا ہے: ''لڑکپن ہی سے آپؐ نے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی اور گلہ بانی کا نبوی پیشہ اختیار کیا، جو مالی یافت کا معمولی سہارا تھا، مگر اس نے آپکؐو تجربات سے نوازا، اور سنِ شعور کو پہنچے، تو تجارت کا خاندانی اور قومی پیشہ اختیار کرنے میں لڑکپن کے بعض تجارتی اسفار کے ساتھ دلیلِ راہ ثابت ہوا۔مضاربت کے اصول پر آپؐ نے اپنی تجارت کا آغاز کیا اور مقامی تجارت سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے قومی تجارت کے دھارے میں شریک ہوگئے، اور مکہ مکرمہ میں اپنی محنت، امانت وصلابت کے سبب ایک ممتاز جگہ بنالی، اور ایک ابھرتے ہوئے خوش حال تاجر بن گئے۔25 سال کی عمر شریف میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی مال دار ترین اور خوش خصال عورت سے شادی کی، تو ایک کامیاب تاجر تھے، اور پھر اپنی تجارت کو

اپنی نیک نہاد اور جاں نثار اہلیہ کی تجارت کے ساتھ مدغم کر کے 'غنی' کے اس درجے تک پہنچ گئے، جس کا حوالہ قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ یہ مشترکہ تجارت آخر مکی عہد تک جاری رہی۔ بس اس فرق کے ساتھ کہ بعثت کے بعد آپؐ نے دوسروں کو مضاربت پر مال دے کر تجارت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپکیؐ تجارت اور غنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت و تجارت کے محتاج اور اس پر مبنی نہ تھی، بلکہ خود مختار و آزاد تھی۔ البتہ آپکیؐ دولت و تجارت کو اس سے بہت فیض پہنچا تھا، جس طرح متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہمکی جاں نثاری اور ہمدردانِ قریش کی مدد سے زیست کا سامان کسی حد تک فراہم ہوا تھا۔ آپکیؐ مکی معیشت انہیں مختلف عناصر سے مرکب تھی"۔[18]

رسول اللہ ﷺ نے تجارت کی غرض سے شام، بصری اور یمن کے کئی سفر کیے۔[19] اسی طرح ایک روایت میں آپکاؐ قبیلہ عبدالقیس کے مسکن یعنی بحرین کی جانب سفر کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔[20] آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر ایک بار شام اور 4 بار یمن گئے،[21] جب کہ یہی کاروباری معاملہ اس عظیم جوڑے کے رشتہ ازدواج میں بندھنے کا سبب بنا۔ مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں: "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عرب کے شریف خاندان کی بڑی مال دار خاتون تھیں۔ ان کی شرافتِ نسبی اور عفت و پاک دامنی کی وجہ سے جاہلیت اور اسلام میں لوگ ان کو 'طاہرہ' کے نام سے پکارتے تھے۔ قریش جب اپنا قافلہ تجارت کے لیے روانہ کرتے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اپنا مال کسی کو بطور مضاربت دے کر روانہ کرتیں۔ ایک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف 25 سال کی ہوئی اور گھر گھر میں آپکیؐ امانت و دیانت کا چرچا ہوا اور کوئی شخص مکہ میں ایسا نہ رہا کہ آپکوؐ امین کے لقب سے نہ پکارتا ہو، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپؐ میرا مال تجارت کے لیے شام لے کر جائیں، تو آپکوؐ بہ نسبت دوسروں کے المضاعف (دگنا) معاوضہ دوں گی۔ آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کی مالی مشکلات کی وجہ سے اس پیغام کو قبول فرمالیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوگئے... اس مرتبہ آپکیؐ برکت سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر منافع ہوا کہ اس سے پیشتر کبھی اتنا نفع نہ ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جتنا معاوضہ آپؐ سے مقرر کیا تھا، اس سے زیادہ دیا... (سفر کے) واقعات کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپؐ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا۔ چناں چہ سفرِ شام سے واپسی کے 2 ماہ اور 25 روز بعد خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو نکاح کا پیغام دیا۔ آپؐ نے اپنے چچا کے مشورے سے اس کو قبول فرمالیا"۔[22]

نکاح کے بعد بعثت تک رسول اللہ ﷺ نے براہِ راست اور بالواسطہ تجارت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپؐ بیرونِ مکہ تجارتی قافلے لے جانے کے علاوہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں بھی خرید و فروخت کیا کرتے۔ اس کی جانب جاحظ نے اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"آپؐ ایک عرصے تک تاجر رہے اور اپنے شہر میں بھی خرید و فروخت کرتے رہے... خرید و فروخت میں اسی شہرت کے باعث مشرکین

نے یہ اعتراض کیا: ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾[23] یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے آپکی جانب یہ وحی بھیجی کہ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾[24] اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے

غرض اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ آپؐ سے قبل انبیائے کرامE بھی مختلف پیشوں اور تجارت سے وابستہ تھے"۔[25]

اسی طرح مؤرخ ابن کثیر نے رسول اللہ ﷺ کی ابوسفیان بن حرب کے ساتھ مضاربت کا تذکرہ کیا ہے، جو تقریباً بعثت کے سال ہی کا واقعہ ہے۔[26] البتہ بعثت کے بعد کی بلاواسطہ تجارتی مصروفیات کم ہوتی گئیں، جب کہ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد آپؐ نے مشغلے کے طور پر تجارت تقریباً ترک ہی فرمادی تھی۔ وہاں آپؐ سے خال خال ہی کچھ فروخت کرنا ثابت ہے، تاہم مختلف اشیا کی خریداری کا تذکرہ جابجا ملتا ہے۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: "منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد خریداری میں اضافہ اور فروخت میں کمی واقع ہوئی۔ اسی طرح ہجرت کے بعد بھی آپؐ سے صرف چند معاملات میں فروخت منقول ہے اور اکثر یہ فروخت خریدنے والے کے لیے سودمند ہوا کرتی تھی، جیسے پیالے اور پالان کی فروخت، ایک مدبر غلام یعقوب کی فروخت، نیز ایک غلام کی دو غلاموں کے عوض فروخت۔ رہی آپکی خریداری، تو یہ آپؐ نے کثرت سے فرمائی"۔[27]

غرض رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے قبل اور بعد اسی طرح ہجرت سے قبل اور بعد کسی نہ کسی صورت میں یہ مشغلہ جاری رکھا۔ آپؐ نے جاہلیت کے دور میں بھی تجارت کے دوران اپنے عمل سے قریش کو بتایا کہ خرید و فروخت، کاروبار اور لین دین کے معاملات کس طرح ہونے چاہییں۔ تاجر کو سچائی، امانت داری اور دوسروں کی خیر خواہی کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح معاملات میں صفائی اور لین دین کے ساتھ مروت کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے کیے جانے والے سفروں میں اپنا اور اپنے سرمایہ کاروں ہی کا فائدہ نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ اپنے ساتھیوں کے حقوق کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔ جب کہ ہجرت کے بعد تو مدینہ منورہ میں احکام کا نزول کثرت سے شروع ہو چکا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہمکی ایک بڑی تعداد اس شعبے سے وابستہ تھی، اس لیے آپؐ نے اس دور میں تجارت کے احکام کھول کھول کر بیان کیے۔

عہدِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہمکی تجارتی سرگرمیاں

رسول اللہ ﷺ کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہمکی ایک بڑی تعداد نے بھی کسبِ معاش کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ ان میں زیادہ تر کا تعلق قریش سے تھا، جنھوں نے اسے اپنے آباواجداد کا پیشہ سمجھتے ہوئے اپنایا تھا، جب کہ دیگر کا تعلق طائف، مدینہ منورہ اور جزیرۂ عرب کے مختلف مقامات سے تھا، تاہم ان میں قریشیوں کی دولت، سرمائے، سامانِ تجارت کی اقسام اور قافلوں کے حجم میں کسی

دوسرے علاقے کے لوگ ان کے ہمسر نہیں تھے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد اپنے اس نئے مسکن میں بھی تجارت ہی کو بطور ذریعہ معاش اختیار کیا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد اور تجارتی تنوع کا تذکرہ چند صفحات میں بیان کرنا ممکن نہیں، تاہم بحث کے تقاضے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ذیل میں دونوں امور پر ایک نظر ڈالی جارہی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قریشی تاجروں کے سرخیل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جو اسلام لانے سے قبل بھی تجارت کے لیے شام تشریف لے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اسفار میں تو رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی بھی رہی۔ دونوں نے ایک سفر نوجوانی میں کیا۔ اس وقت آپکی عمر مبارک 20 برس تھی، جب کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صرف 18 سال کے تھے۔[28] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مال و دولت کی کچھ کمی نہیں تھی۔ علامہ ابن حجر نے اس بارے میں نقل کیا ہے: ''ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ معروف تاجر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت ان کے پاس 40 ہزار درہم تھے۔ انہوں نے اس دولت سے اسلام لانے والے غلاموں کو آزاد کرایا اور مسلمانوں پر خرچ کیے۔ مدینہ منورہ آمد کے وقت بھی ان کے پاس 5 ہزار درہم موجود تھے اور وہاں بھی وہ یہی کچھ کرتے رہے''۔[29]

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تجارت کا سلسلہ بھی مدینہ منورہ میں جاری رکھا۔ اس مقصد کے لیے شام کے علاقے بصریٰ کا بھی سفر کیا۔[30] یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال پر انہیں خلیفہ بنادیا گیا، تو اپنے ساتھیوں کے اصرار پر تجارت ترک کردی۔[31] اسی طرح خلافت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جاں نشیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی جاہلیت میں تجارت کرتے تھے اور اس غرض سے کئی بار شام و دمشق تشریف لے گئے،[32] بلکہ ایک سفر عراق کا بھی کیا۔[33] انہوں نے مکہ مکرمہ میں جس طرح تجارتی سرگرمیوں سے روگردانی نہیں کی، اسی طرح مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی اہتمام سے جاری رکھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں بیان کردہ مسئلہ معلوم نہ ہونے پر ''صحیح بخاری'' میں ان کا یہ قول منقول ہے: ''بازاروں میں خرید و فروخت نے مجھے اس (تحصیلِ علم) سے دور رکھا''۔[34]

عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی انتہائی مال دار قریشی تھے۔ ''طبقات ابن سعد'' میں عبید اللہ بن دارہ سے منقول ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں تاجر تھے۔ وہ اپنا مال مضاربت پر دیتے تھے۔[35] تاجر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک نامور شخصیت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں جتنی برکت دی، اس کا حساب نہیں۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھائی چارہ کردیا۔ انہوں نے آدھا مال دینے کی پیشکش کی، تو جواب دیا کہ مجھے صرف بازار کا راستہ دکھادو۔ وہاں جاکر خرید و فروخت کی اور اتنے تجربہ کار و زیرک تاجر بن گئے کہ خود فرماتے ہیں کہ میں کسی پتھر کو بھی ہاتھ لگاتا تو مجھے اس کے سونا چاندی بن جانے کی امید ہوتی۔[36] اسی طرح زبیر بن العوام رضی اللہ

عنہم بھی تجارت پیشہ تھے اور اس میدان میں قسمت کے دھنی تھے۔[37] ان کے علاوہ بھی درجنوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما ایسے تھے، جنہوں نے یہ پیشہ اختیار کیا اور مال داروں میں شمار ہوئے۔ ان میں مدینہ منورہ کے باشندے بھی تھے اور طائف سمیت جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں کے مکین بھی۔

رسول اللہ ﷺ کی آمد سے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اس لیے جہاں یہ ضروری تھا کہ اس نومولود ریاست کا تشخص قائم کرنے کے لیے سیاسی، انتظامی اور عسکری طور پر اس کا اپنا نظام بنایا جائے، وہیں اس بات کی بھی اشد ضرورت تھی کہ یہاں مسلمانوں کا اپنا معاشی و تجارتی نظم و نسق ہو۔ مسلمان مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں کی تجارت کا بڑا حصہ یہود کے ہاتھ میں تھا۔ وہاں ان کا قینقاع نامی ایک بازار تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی اس بازار میں جانا اور یہود سے مالی معاملہ کرنا ثابت ہے۔ یہود کی تجارت صرف مدینہ منورہ ہی پر نہیں چھائی ہوئی تھی، بلکہ پورے حجاز میں پھیلی ہوئی تھی۔ مشہور یہودی سردار ابو رافع اتنا بڑا کاروباری آدمی تھا کہ ''حجاز کا تاجر'' کے لقب سے جانا جاتا تھا۔[38] تاہم ان کی تجارت اسلام کی تعلیمات سے میل نہیں کھاتی تھیں۔ ان کی تجارت میں سود، جھوٹ، دھوکا، اجارہ داری اور ظلم سمیت مختلف اخلاقی برائیاں موجود تھیں، اس لیے آپؐ نے مسلمانوں کے لیے الگ جگہ منتخب فرمائی اور اسے ان کا بازار قرار دیا۔ ''وفاء الوفاء'' میں عطا بن یسارؒ سے مروی ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے لیے ایک بازار قائم کرنے کا ارادہ کیا، تو آپؐ بنو قینقاع کے بازار تشریف لے گئے۔ (لیکن وہ پسند نہ آیا) پھر مدینہ منورہ کے بازار کی جگہ آئے اور زمین پر پاؤں مبارک مارتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہے تمہارا بازار، جو کبھی تنگ ہو گا نہ اس میں محصول وصول کیا جائے گا''۔[39]

یہ واحد بازار نہیں تھا، جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمایا، بلکہ ان کی تعداد ایک سے زائد تھی۔[40] البتہ بازارِ مدینہ کی خاصیت یہ تھی کہ یہ ایسے مقام پر قائم کیا گیا تھا، جہاں شہر کا مرکزی داخلی راستہ تھا کہ شام، مکہ مکرمہ اور یمن کے علاوہ جزیرۂ عرب کے طول و عرض سے آنے والے اسی راستے سے شہر میں داخل ہوتے تھے۔ اس طرح کوئی بھی وفد، قافلہ، تاجر یا شخص مدینہ منورہ آتا، تو پہلے اس بازار سے گزرتا۔ یوں یہود کی تجارت کو مسلمانوں نے کافی گزند پہنچائی۔ اس بازار میں گندم، جو، خوردنی تیل، چربی، پنیر اور شہد سمیت ہر قسم کا غذائی مواد، چمڑا، چمڑا سازی کا سامان، پہننے کا کپڑا، گھریلو استعمال کا کپڑا، زیور، برتن، تلوار، نیزے و تیر سمیت ہر قسم کے ہتھیار، مویشی اور گھوڑے فروخت ہوتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کی خواتین بھی مختلف اشیا کی تجارت کرتی تھیں، جو گھر سے گھر تک ہی منحصر تھی، جس میں عطر فروشی نمایاں تھی۔ جب کہ اہلِ مدینہ کا ایک بڑا طبقہ صراف یعنی منی چینجر کا کام بھی کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس بازار کے انتظام پر خصوصی توجہ دی گئی۔ آپؐ بذاتِ خود اپنے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کی خبر گیری فرماتے اور اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے۔ اسی طرح قیمتوں کی نگرانی کی جاتی اور عوام کے مفاد میں ان کا تعین کیا جاتا۔ نیز ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ ایسے اصول وضع کیے گئے کہ خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو نقصان نہ

پہنچے۔ حلال اور حرام تجارتی اور لین دین کے معاملات بھی بیان کر دیے گئے تھے۔ ناپ تول اور معیار کی جانچ بھی کی جاتی تھی۔

بازارِ مدینہ میں نواحی علاقوں سے بھی تاجر اور عام لوگ خرید و فروخت کے لیے آتے تھے، اس لیے یہ ایک بڑی علاقائی منڈی بن گیا تھا۔ تاہم اہلِ مدینہ کی تجارت اسی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کا دائرہ بیرونی تجارت تک وسیع ہو گیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ شام و یمن اور شام و فارس کے تجارتی راستوں پر واقع تھا، اس لیے یہاں بیرونی تجارت کا نہ ہونا محال تھا۔ ایک صحابی ابو معلق انصاری رضی اللہ عنہ تاجر تھے اور ان کی تجارت دور دراز علاقوں تک وسیع تھی۔ دوسری جانب ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ سے آنے والے قریشی مہاجرین نے اپنا آبائی پیشہ ہی اختیار کیا، اور شام اور دیگر علاقوں کی جانب تجارتی سفر کرتے رہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال سے کچھ پہلے نعیمان اور سویبط بن حرملہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ بصریٰ کا تجارتی سفر کیا۔ مدینہ منورہ سے جانے والے تجارتی قافلوں میں بعض اوقات 450 تک لوگ ہوتے، جس سے اہلِ مدینہ کی بیرونی تجارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[41]

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی تجارت کا فروغ

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو مسلمانوں کا تجارتی مرکز بنایا۔ آپؐ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ کی تجارتی حیثیت مستحکم بنانے کے لیے اسی نہج پر چلتے رہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی دیگر امور کی طرح تجارت کے معاملے میں ان کی پیروی کی اور مدینہ منورہ ہی نہیں دور دراز اسلامی اراضی میں اس کے فروغ کے لیے اقدامات کیے اور احکامات جاری کیے۔ انہوں نے مصر اور مدینہ منوہ کے درمیان تجارت کو مضبوط بنانے کے لیے دریائے نیل کو بحیرۂ قلزم سے ملانے کے خلیج کھودنے کا حکم دیا۔ اس کے راستے مصر کا غلہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ آنا شروع ہوا، جس سے حجاز کی بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضروریات پوری ہوئیں۔[42]

مدینہ منورہ کے دارِ ہجرت بننے کے بعد مکہ مکرمہ کا تجارتی مقام رفتہ رفتہ کمزور پڑتا گیا۔ پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں کئی نئے شہر مسلمانوں کی تجارتی منڈیاں بن گئے، جن میں اسکندریہ اور بصرہ سرفہرست تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں فتوحات نے اسلامی ریاست کی حدود چین سے لیبیا تک وسیع کر دیں اور اس پورے خطے میں بے مثال امن و امان قائم کیا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی تجارت دور دور تک پھیل گئی۔ نیز مسلمانوں نے مختلف اقوام کے ساتھ فروغِ تجارت کے لیے معاہدے کیے۔ مثلاً: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں والی مصر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نے نوبہ (سوڈان) والوں کے ساتھ معاہدہ کیا کہ وہ غلام اور لونڈیاں لائیں گے، اور ان کے بدلے مسلمان انہیں اناج دیں گے۔[43]

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان دار الحرب میں بھی تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ ایک بار گورنر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مسلمان تاجر دار الحرب میں داخل ہوتے ہیں، تو ان سے نفع کا دسواں حصہ

ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ اس پر امیر المؤمنین نے بھی دار الحرب کے کافروں کے ساتھ یہی معاملہ کرنے کا حکم دیا۔[44]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں تجارت کا فروغ اس حد تک ہو چکا تھا کہ مسلمان عربوں کے ان قدیم بازاروں اور میلوں کے محتاج نہیں رہے تھے، جو موسموں کی مناسبت سے لگائے جاتے تھے۔ عرب شام، عراق، ماورائے نہر اور افریقا کے بڑے بڑے شہروں میں آباد ہو گئے تھے، اور ان شہروں میں مستقل بازار موجود تھے، جن کی سرگرمیاں کبھی ماند نہ پڑ تیتھیں۔ اس عرصے اور بعد میں مسلمانوں نے کوفہ، بصرہ، قیروان اور بغداد جیسے شہر بھی بسائے، جو تجارتی مراکز کے طور پر بھی جانے گئے۔ ان میں بندرگاہی شہر بصرہ کے بازار مربد کی شہرت سب سے زیادہ تھی۔[45]

بنو اُمیہ کے دور میں بھی مسلمانوں کی تجارت روبہ ترقی رہی۔ اس وقت کی منکشف دنیا میں مسلمانوں کی تجارت کے لیے بری اور بحری چلت پھرت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس تجارتی نقل و حرکت سے مسلمانوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ دیگر سلطنتوں اور علاقوں کے تاجروں نے بلادِ اسلامیہ کا رخ کرنا شروع کر دیا، اور وہ بری و بحری راستوں سے اور زیادہ بین الاقوامی تجارت کرنے لگے۔ ساتھ ہی خلفائے بنی اُمیہ نے بازار اور تجارتی مراکز بنوائے۔ صرف دمشق میں سوق الصیاقلہ، سوق الخالدیین، سوق اُم حکیم اور سوق سعید بن عبدالملک سمیت کئی کاروباری مقام قائم ہوئے۔ یہ سلسلہ دار الخلافہ کے ساتھ دیگر علاقوں میں بھی جاری رہا، جیسے حیرہ میں سوق یوسف، کوفہ میں سوق اسد، جزیرہ میں سوق ہشام العتیق اور رصافہ جو تجارتی قافلوں کے ملنے کا نقطہ تھا۔

اُمویوں نے بازاروں کے انتظام اور امور کی نگرانی میں بھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروری کی اور اس مقصد کے لیے ہر بازار پر حکام تعینات کیے۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ دمشق کے بازاروں کا چکر لگاتے اور حالات معلوم کرتے تھے۔ ولید بن عبدالملک نے خرید و فروخت کے معاملات میں تاجروں کو درپیش مشکلات حل کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ حجاج بن یوسف نے بطور گورنرِ عراق اپنی عمل داری میں مالی اور ناپ تول کے نظام میں اصلاحات کر کے تجارت میں اطمینان اور اعتماد کی فضا پیدا کی۔ زیاد بن ابیہ ہر جمعہ کو قیمتوں اور بازاروں سے متعلق حکام سے دریافت کرتا تھا۔[46]

بنو عباس کے اولین خلفا کے دور میں بھی تجارت کو خوب فروغ ملا اور انہوں نے اس کی جانب رغبت میں بہت اضافہ کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر ممکن اقدام کیے۔ انہوں نے سڑکیں، راستے، کنویں، سرائے، سرحدی چوکیاں اور سمندری محافظ بیڑے بنوائے، جس کے باعث مسلمانوں کے قافلے خشکی پر اور تجارتی جہاز سمندروں میں بے خوف و خطر سفر کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی سلطنت کے وسط میں بغداد جیسا شہر بسایا، جو اپنے محل وقوع کے باعث دنیا میں پہلے درجے کی منڈی بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس میں بازار بنوائے، جو بعد میں شہر کے باہر منتقل کر دیے گئے۔ یہ در حقیقت ایک عالمی منڈی تھی، جہاں مختلف اصناف کے لیے الگ الگ

بازار تھے۔ دوسری جانب دمشق تھا، جو بنو اُمیہ کے دور میں دارالخلافہ رہا تھا۔ وہاں بھی تجارت کے لیے تمام اسباب و موافق فضا موجود تھی۔ یہ ایشیائے کوچک و دریائے فرات کے علاقے سے بلادِ عرب و مصر آنے اور جانے والے قافلوں کا نقطہ اجتماع تھا۔

بنو عباس نے فرات سے ایک نہر کھودی، جو دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقے کو چیرتے ہوئے دجلہ کے کنارے آباد بغداد تک پہنچی۔ یہ نہر اتنی بڑی اور گہری تھی کہ اس میں فرات سے دجلہ تک کشتیاں چلتی تھیں۔ یوں ایشیائے کوچک، شام، بلادِ عرب اور مصر کا نئے دارالخلافہ اور مرکزی منڈی سے رابطہ مزید آسان ہو گیا، جب کہ وسط ایشیا کے قافلے بخاری اور فارس سے گزر کر آتے رہے۔ بغداد کے ساتھ بصرہ بھی اہم تجارتی مرکز تھا، بلکہ اسے بغداد کی تجارت کا دروازہ سمجھا جاتا تھا، کیوں کہ اس کے ساحل پر چین سے صحرائے اعظم تک کے دور دراز ممالک سے تجارتی سامان آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مشرق و مغرب کی تجارت کا سنگم بن گیا تھا۔

ادھر بحیرۂ روم میں بھی مسلمانوں کی تجارت جاری تھی، جو انطاکیہ سے جبل طارق تک وسیع تھی اور اس سمندر میں تاجر 36 دن تک کا سفر کرتے تھے۔ جب کہ دوسری صدی ہجری میں عباسیوں ہی کے دور میں مسلمان تاجر بحری راستوں سے چین پہنچے۔ ان کی یہ آمد و رفت سیلان اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں خاص طور پر ملبار کے راستے سے ہوئی۔ ان کی پیش قدمی جاری رہی اور بعض کوریا اور مشرقِ بعید تک گئے۔ ہارون الرشید کے دور میں مسلمانوں کے بحری سفر ملایا تک شروع ہو چکے تھے۔[47]

حواشی اور حوالہ جات

1۔ ہائیڈ، ولیم، تاریخ التجارۃ فی الشرق الادنی فی العصور الوسطی، ج 1، مترجم: رضا، احمد محمد، الہیئۃ المصریہ العامہ للکتاب، مصر، 1985ء، ص: 13، 14

2۔ یوسف الدین، ڈاکٹر محمد، اسلام کے معاشی نظریے، مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، 1950ء، ص: 5

3۔ طقوش، ڈاکٹر محمد سہیل، تاریخ العرب قبل الاسلام، دار النفائس، بیروت، 2009ء، ص: 83 – 85

4۔ ایضاً، ص: 95 – 96

5۔ ایضاً، ص: 99

6۔ افغانی، سعید، اسواق العرب فی الجاہلیۃ والاسلام، دار الفکر، بیروت، 1974ء، خلاصہ از ص: 46 – 55

7۔ ابن ہشام، عبدالملک حمیری، معافری، السیرۃ النبویہ، ج 1، مترجم: دہلوی، سید یاسین علی حسنی نظامی، ادارۂ اسلامیات، لاہور، 1994ء، ص: 74

8۔ ازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ، اخبار مکہ، مکتبہ الاسدی، مکہ مکرمہ، 2003ء، ص: 176

9۔ جاحظ، عمرو بن بحر، کتاب البلدان، مطبعۃ الحکومہ، بغداد، 1970ء، ص: 472

10۔ رازی، امام فخر الدین محمد بن عمر، تفسیر مفاتیح الغیب، ج 32، دار الفکر، بیروت، 1981ء، ص: 106، 107

11۔ اسلام کے معاشی نظریے، محولہ بالا، ص: 50، 51

12۔ اسواق العرب فی الجاہلیۃ والاسلام، محولہ بالا، ص: 113 – 116

13۔ اسلام کے معاشی نظریے، محولہ بالا، ص:46
14۔ نعمانی، مولانا شبلی، سیرت النبی ﷺ، ج1، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2012ء، ص:135
15۔ بک، محمد الحضری، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین ﷺ، دار الایمان، دمشق، 1988ء، ص:17
16۔ بخاری، امام محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ج3، حدیث نمبر:2262، دار طوق النجاۃ، بیروت، 1422ھ، ص:88
17۔ السیرۃ النبویہ لابن ہشام، محولہ بالا، ص:116 – 118
18۔ صدیقی، ڈاکٹر یاسین مظہر، معاشِ نبوی، کتب خانہ سیرت، لاہور، کراچی، 2015ء، ص:57
19۔ سیرت النبی ﷺ، ج1، محولہ بالا، ص:146
20۔ شیبانی، امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج24، حدیث نمبر:15559، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1999ء، ص:327
21۔ حلبی، نور الدین علی بن برہان الدین، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، ج1، دار المعرفہ، بیروت، 1400ھ، ص:181
22۔ کاندھلوی، مولانا ادریس، سیرت مصطفیٰ ﷺ، ج1، مکتبہ الحسن، لاہور، ص:126، 128، 137
23۔ سورۂ فرقان، آیت:7
24۔ ایضاً، آیت:20
25۔ جاحظ، ابو عثمان عمرو بن بحر، مدح التجارۃ وذم عمل السلطان، رسائل الجاحظ، ج2، دار الہلال، بیروت، 2002ء، ص:241، 242
26۔ علامہ ابن کثیر دمشقی نے امیہ بن ابی الصلت کے حالاتِ زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تھوڑے ہی عرصے قبل اس کے ابوسفیان بن حرب کے ساتھ پہلے شام اور پھر یمن کی جانب سفرِ تجارت کا طویل واقعہ لکھا ہے: ''میں مکہ واپس لوٹ آیا۔ میں اپنے گھر پر تھا کہ لوگ آنا شروع ہو گئے اور علیک سلیک کے ساتھ اپنے سامانِ تجارت کا پوچھتے۔ یہاں تک کہ محمدؐ بن عبداللہ بھی تشریف لائے۔ اس وقت ہند میرے پاس ہی بیٹھی بچوں کو بہلا رہی تھی۔ انہوں نے مجھے سلام کیا اور خوش آمدید کہا۔ میرے سفر اور حضر کا دریافت کیا، لیکن اپنے سامانِ تجارت کا نہیں پوچھا۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے ہند سے کہا کہ بخدا مجھے یہ شخص بہت پسند ہے۔ قریش میں جس کسی نے بھی میرے ساتھ سامانِ تجارت بھیجا، اس نے اپنے مال کا ضرور پوچھا، لیکن اس شخص نے ایسا نہیں کیا''۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو، البدایہ والنہایہ، ج1، مترجم: مغل، مولانا محمد اصغر، دار الاشاعت، کراچی، 2008ء، ص:680
27۔ ابن قیم، حافظ ابو عبداللہ محمد، زاد المعاد، ج1، مترجم: جعفری، رئیس احمد، نفیس اکیڈمی، لاہور، 1990ء، ص:171
28۔ الشامی، محمد بن یوسف، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج2، وزارۃ الاوقاف، مصر، 1997ء، ص:193
29۔ ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، اصابہ فی تمییز الصحابہ، ج4، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:103
30۔ ابن عساکر، علی بن حسین الشافعی، تاریخ مدینۃ دمشق، ج22، دار الفکر، بیروت، 1995ء، ص:161
31۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر ہونے کی اگلی صبح اپنے سر پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھی اور بازار کو چل پڑے کہ انہیں فروخت کر سکیں۔ راستے میں عمر فاروق اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما مل گئے۔ انہوں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ آپ کہاں چل دیے؟ آپؓ نے جواب دیا: بازار۔ دونوں نے کہا: آپ کو مسلمانوں کا حکمران بنایا گیا ہے اور آپ یہ کر رہے ہیں۔ اس پر آپؓ نے کہا: پھر میں اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کیسے پالوں گا۔ دونوں نے کہا: آپ ہمارے ساتھ چلیں کہ ہم آپ کا وظیفہ مقرر کریں۔ آپؓ ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؓ کے لیے یومیہ بکری کا کچھ حصہ

اور ضرورت کے مطابق لباس مقرر کر دیا۔

ابن سعد، محمد بن سعد الزہری، الطبقات الکبیر، ج 3، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، 2001ء، ص: 168

32۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج 44، محولہ بالا، ص: 3، 6

33۔ العسکری، ابو الہلال حسین بن عبد اللہ، الاوائل، ج 1، دار العلوم للطباعۃ والنشر، ریاض، 1981ء، ص: 51

34۔ صحیح بخاری، ج 3، حدیث نمبر: 2062، محولہ بالا، ص: 55

35۔ الطبقات الکبیر لابن سعد، ج 3، محولہ بالا، ص: 57

36۔ ایضاً، ص: 117

37۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ النمری، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 2، دار الجیل، بیروت، 1992ء، ص: 514

38۔ اسلام کے معاشی نظریے، محولہ بالا، ص: 90

39۔ سمہودی، نور الدین علی بن عبد اللہ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ج 3، مؤسسۃ الفرقان، سعودی عرب، 2001ء، ص: 82

40۔ ایضاً، ص: 83

41۔ ابن ادریس، عبد اللہ عبد العزیز، مجتمع المدینہ فی عہد الرسول ﷺ، جامعۃ الملک السعود، ریاض، 1982ء، ص: 209 – 216

42۔ مقریزی، احمد بن علی عبیدی، المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار، ج 3، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1998ء، ص: 252

43۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، مؤسسۃ المعارف، بیروت، 1987ء، ص: 331

44۔ قرشی، یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، دار الشروق، قاہرہ، 1987ء، ص: 188

45۔ اسواق العرب فی الجاہلیۃ والاسلام، محولہ بالا، ص: 393

46۔ القواسمی، سحر یوسف، التجارۃ ودولۃ الخلافۃ فی صدر الاسلام، مقالہ، جامعۃ النجاح، فلسطین، 1999ء، ص: 114، 121، بروکلمن، کارل، تاریخ الشعوب الاسلامیہ، مترجم: فارس، نبیہ امین، البعلبکی، منیر، دار العلم للملایین، بیروت، 1968ء، ص: 146، 147

47۔ تاریخ التجارۃ فی الشرق الادنی، ج 1، محولہ بالا، ص: 43-49، حسن، حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام؛ السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی، ج 2، دار الجیل، بیروت، 1996ء، ص: 255 – 285